احکامِ شریعہ میں حالات وزمانہ کی رعایت

(مولانا محمد تقی امینی کے افکار کا خصوصی مطالعہ)

پروفیسر محمد انس حسان ☆

دورِ حاضر میں جن اسلامی ممالک میں ایک سنجیدہ علمی طبقہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے سرگرمِ عمل ہے' ان کے سامنے ایک مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ جن سیاسی' معاشی اور معاشرتی مسائل میں قرآن وسنت اور فقہاءِ کرام کے اجماع کی شکل میں صریح ہدایات موجود ہیں ان کو من وعن تسلیم کرلیا جائے یا حالات وزمانہ کے اعتبار سے ان میں مناسب ترمیم واضافہ کی گنجائش موجود ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ یہ کہتا ہے کہ کتاب وسنت کے تمام احکام ابدی اور دائمی ہیں' ان میں کسی ترمیم واضافہ کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے برخلاف تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا طبقہ' جس میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ اور کچھ روشن خیال علماء شامل ہیں' یہ کہتا ہے کہ اسلام نے سیاست' معیشت اور معاشرت میں جو حدیں مقرر کی ہیں' ان کو حالات اور ماحول کے تقاضے کے تحت بدلا اور توڑا جا سکتا ہے۔ اس حلقہ میں کچھ لوگ تو واقعی اخلاص سے یہی رائے رکھتے ہیں مگر ان میں بیشتر یا تو مغربی نظام کی مرعوبیت کی بنا پر ایسا کہتے ہیں یا پھر اپنی کم علمی اور آزادانہ روی کی وجہ سے ایسا چاہتے ہیں۔[(۱)]

اگر حقیقت بین نظروں سے دیکھا جائے تو دونوں طبقات افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ پہلا طبقہ اسلام کے ارتقائی فکر میں جمود کا باعث بن رہا ہے تو دوسرا طبقہ مغربی فکر کے زیر اثر اسلام کا ایک بالکل نیا ورژن پیش کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ فکری نقطہ نظر سے یہ دونوں طبقات اسلام کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچانے کا باعث بن رہے ہیں۔ یقیناً موجودہ دور کے کئی مسائل اپنے تنوع کے اعتبار سے ایسے ہیں جن میں حالات وزمانہ کی رعایت ناگزیر ہوگی اور ایک صحیح اسلامی نظامِ حکومت کو اس اصول سے گونا گوں استفادہ کرنا پڑے گا' لیکن اس امر میں اس بات کا خاص لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوگا کہ انہی امور میں اس رعایت سے استفادہ کیا جائے جو نبی کریم ﷺ کے مخصوصات یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے ثابت ہوں اور کسی بھی ایسے کام میں رائے زنی سے کام نہ لیا جائے جو ان اصولوں کے برخلاف ہو۔ اس حوالے سے یہ تیسرا طبقہ ہوگا جو درج بالا دونوں طبقات کا درمیانہ طبقہ ہے اور راہ اعتدال کی دعوت دیتا ہے۔

مولانا محمد تقی امینی (۱۹۲۶ء۔۱۹۹۱ء) بھی اسی نقطۂ نظر کے مالک ہیں۔ انہوں نے قرآن وسنت اور

☆ گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں' پاکستان anskashmiri@gmail.com

آثارِ صحابہ سے استفادہ کرتے ہوئے کافی قابلِ قدر ذخیرہ اکٹھا کر دیا ہے۔ مولانا کے نزدیک چونکہ ہر زمانہ میں خیالات کے طرزِ تعبیر‘ اسلوبِ تحریر اور طریقہ استدلال وغیرہ میں فرق ہوتا ہے اور سب مخاطب یکساں نہیں ہوتے ہیں اس لیے اس فرض کی ادائیگی میں ہر دور اور ہر ذہن کی رعایت ضروری ہے۔(۲) تغیرِ احکام بتغیرِ زمان (زمانہ کی تبدیلی سے احکام کی تبدیلی) یعنی جو احکام زمانی مصلحت پر مبنی تھے‘ زمانہ کی تبدیلی سے چونکہ ان کی مصلحت بدل گئی ہے اس لیے ان کی تبدیلی ضروری ہوگئی ہے —— زمانہ میں تبدیلی دو وجہ سے ہوتی ہے:

(۱) فسادِ زمانہ‘ کہ لوگوں کی اخلاقی حالت خراب ہو جائے۔

(۲) ترقی زمانہ‘ کہ لوگوں کی معاشرتی حالت ترقی کر جائے۔

چونکہ یہ وجوہات ہر دور کا بنیادی جزو ہوتی ہیں اس لیے ان پر عمل بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ ’’تدوین فقہ‘‘ کی تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصری رجحانات و معاشرتی احوال کو فقہ کی وسعت و ترقی میں کافی دخل رہا ہے۔ جیسی جیسی ضرورتیں پیدا ہوتی گئیں‘ فقہ چار و ناچار وسیع ہوتا گیا۔ یہ اسلامی فقہ ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے جدید مسائل اور عصری رجحانات کی رعایت کو بتدریج سمیٹنے اور نئے حالات و معاملات میں درست زاویہ نگاہ دینے کی مکمل کوشش کی۔ چونکہ انسانی زندگی خود تغیر پذیر ہے تو اس میں تنظیم و تہذیب کرنے والے قوانین کیونکر تغیر پذیر نہ ہوں گے؟ اور ان کے بغیر انسانی زندگی اپنے ارتقائی عمل کو کیونکر قائم رکھ پائے گی؟ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان نے گزشتہ تین سو سالوں میں جتنی مادی ترقی کی ہے اس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ اس ترقی کا اثر انسانی زندگی کے بہت سے گوشوں پر پڑا ہے جس سے کئی نئی ضرورتیں پیدا ہوئی ہیں۔ ان ضرورتوں پر قابو پانے اور انہیں صحیح سمت دیے بغیر اسلام کے قانونی وقار کو برقرار رکھنا عصرِ حاضر کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

’’...... بہت سی سماجی خرابیوں کے فروغ کی وجہ سے بعض احکام کے موقع و محل میں تبدیلی ناگزیر بن گئی اور حالات و مصالح کے بدل جانے کی وجہ سے بعض احکام پر عمل درآمد سے ان کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہے۔ ان تمام امور میں غور و فکر کر کے فقہ کے معاشرتی و سماجی پہلو کو ضروریاتِ زندگی سے ہم آہنگ بنانے اور زندگی و قانون میں صحیح ربط پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔‘‘(۳)

شریعتِ الٰہی کے پیشِ نظر ہمیشہ دو امور رہتے ہیں:

(۱) قلبی و روحانی اصلاح

(۲) معاشرتی و تمدنی فلاح

پہلی قسم کے قوانین غیر متبدل اور یکساں رہنے والے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہ شکل و صورت میں ہو سکتی ہے اور نہ روحِ معنی میں۔ اور دوسرے قسم کے قوانین چونکہ سماجی زندگی کے مختلف حالات‘ وقت اور موقع کی مناسبت کے تابع ہوتے ہیں اس لیے معاشرہ کی حالت کی تبدیلی اور تمدنی ترقی کے ساتھ ان کی شکل و صورت میں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ اس حوالے سے مولانا امینیؒ کے نزدیک درج ذیل نکات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے:

☆ حالات اور تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں نئے قوانین وضع کرنا۔

☆ پرانے اجماعی فیصلے جو حالات و مصلحت کے تابع تھے‘ ان میں موجودہ حالات و مصالح کے پیشِ نظر مناسب

ترمیم کرنا۔
☆ وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں‘ معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم ومؤخر کرنا۔
☆ وہ احکام جن میں عرب کے مقامی حالات‘ رسم ورواج‘ خصائل وعادات ملحوظ ہیں‘ ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کے لیے نیا قالب تیار کرنا۔
☆ وہ احکام جو وقتی تقاضا اور مصلحت کے تحت ہیں‘ موجودہ تقاضا اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔
☆ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں‘ معقول دلیل کی بنا پر ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔
☆ فقہاء کی مختلف آراء میں حالات وتقاضوں کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ۔(۴)

دور کی تبدیلی سے معاشرتی زندگی میں دو قسم کی تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں:

(۱) تنظیمی تبدیلی‘ اور (۲) اخلاقی تبدیلی —— یہ بات درست ہے کہ تنظیمی تبدیلیوں کو قبول کیے بغیر چارہ نہیں لیکن اخلاقی تبدیلیوں سے سمجھوتہ کر لینے والی قومیں اپنا ملی وجود ختم کر بیٹھتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک دور میں چوری‘ زنا اور اسی طرح کی دیگر اخلاقی برائیوں کا رواج ہو جائے تو انہیں اس اصول پر قبول نہ کیا جائے گا کہ یہ معاشرتی تبدیلی کے نتیجہ میں ظہور میں آئی ہیں بلکہ انہیں کسی طور قبول نہ کیا جائے گا۔ وہ مذاہب جن کی تعلیمات کا دائرہ محدود ہوتا ہے وہ بڑی آسانی سے ہر قسم کی تبدیلیوں کے ساتھ سمجھوتہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن جس مذہب کی تعلیمات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اس میں اور ان تبدیلیوں میں قدم قدم پر ٹکراؤ کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا مظاہرہ ہم اسلام اور اس کے مدمقابل مذاہب کے فکری رجحانات میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں مسلم ممالک کو اجتماعیت کی ضرورت ہے۔ طبقاتی کشمکش کا وہ عفریت جو ان دونوں اسلامی ممالک پر مسلط ہے‘ اس سے جان چھڑائے بغیر سرمایہ دارانہ نظام کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا امینیؒ کے مطابق مذہبی طبقہ انفرادی ملکیت کی آڑ میں جاگیردارانہ نظام کو لوگوں کے استحصال کے لیے مذہبی سند فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ ان کی رائے ہے کہ موجودہ دور میں وقت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ”اگر مذہبی پلیٹ فارم سے انفرادی ملکیت کی آڑ میں سرمایہ داری وجاگیرداری نظام کی تائید وتبلیغ کی جاتی رہی تو لازمی طور سے وہ اشتراکیت کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے جیسا کہ بعض ممالک میں ردعمل کے طور پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے...... اگر وقت کی اس ضرورت ونزاکت کو ملحوظ نہ رکھا گیا اور سرمایہ داری وجاگیرداری سے بدستور غذا اور تقویت حاصل کی جاتی رہی تو وہ دن دور نہیں ہے کہ جو زبانیں آج انفرادی ملکیت کی آڑ میں سرمایہ داری وجاگیرداری کو ’اسلامی‘ ثابت کر رہی ہیں‘ کل وہی زبانیں اشتراکیت کو اسلامی ثابت کرنے میں پیش پیش ہوں گی۔ جو تبدیلی اسلام کے نام پر آ سکتی ہے اگر مذہبی نمائندے اس کو قبول کرنے کے لیے کسی مصلحت سے تیار نہ ہوئے تو بدترین شکل میں اس سے کہیں زیادہ تبدیلی ہو کر رہے گی۔“(۵)

موجودہ دور میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کے نتیجہ میں معاشرتی عدمِ توازن کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ امیر امیر تر ہوتا جا رہا ہے جبکہ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ ایک طرف معاشی استحصال نے غریب کو

بنیادی انسانی ضروریات سے محروم کر کے اخلاقی طور پر بدمزاج اور سماجی طور پر بدحال کر رکھا ہے تو دوسری طرف اس کے برعکس امراء نے انہی غریبوں کی ہڈیوں پر اپنے خواہشات کے محل تعمیر کر رکھے ہیں۔ اس عدمِ توازن نے انسانیت کو معاشرتی طور پر بہت پریشان کر رکھا۔ مولانا امینیؒ کا ماننا ہے کہ جب معاشرتی عدمِ توازن محرومی کی شکل اختیار کر لے تو عدل و توازن قائم کرنے کے لیے کئی قوانین میں تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اگر معاشرہ کا یہ حال ہو کہ ایک طبقہ وسائل حیات سے محروم ہو اور دوسرا ہر قسم کے عیش و عشرت میں مشغول ہو تو اس وقت عمل و توازن پیدا کرنے کے لیے نہ صرف سخت قوانین درکار ہوں گے بلکہ تنظیم و تقسیم کے نظام میں بنیادی تبدیلی بھی ناگزیر ہوگی، حتیٰ کہ اگر اجتماعی نظم و قوانین سے مقصود حاصل ہونے کی توقع ہوگی تو اس سے گریز جرم قرار پائے گا اور لوگوں کی حق تلفی کا باعث بنے گا۔''(۶)

چنانچہ اگر شریعتِ الٰہی میں پہلے سے اصولی شکل میں حکم موجود ہو تب بھی تبدیلی کی گنجائش موجود ہوگی۔ مولانا امینیؒ کے مطابق:

''(اگر) حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے لیکن حالات کی تبدیلی کی بنا پر اس کے موقع و محل میں تبدیلی لازمی بن گئی ہے تو روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے حال اور مقام کی مناسبت سے اس کی صورت متعین کرنا (ضروری ہوگا)، مثلاً محنت و سرمایہ میں توازن برقرار رکھنے کا مسئلہ یا حق اور فرض کے حدود متعین کرنے کا سوال ہے۔''(۷)

مولانا امینیؒ کے نزدیک معاشرتی عدمِ توازن میں عدل قائم کرنے کے لیے جو قوانین وضع ہوں گے وہ سب شرعی اور اسلامی ہوں گے لیکن اس کے طریقہ کار میں ان کے نزدیک اتنی گنجائش موجود ہے کہ اس طریق کار کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ہو یا اس کے مطابق وحی نازل ہوئی ہو کیونکہ اس میں حالات و زمانہ کی رعایت سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ظاہر میں یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ شرعی قوانین میں نصوص سے نکل کر کیونکر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن درحقیقت مولانا امینیؒ کا مطمحِ نظر نصوص سے ثبوت کا نہ ملنا ان کے خلاف نہیں بلکہ اس مصلحت سے فائدہ اٹھانا ہے جو ان قوانین کی تفصیل نہ بیان کرنے میں پوشیدہ ہے۔ مولانا امینیؒ کا کہنا ہے کہ چونکہ معاشرتی زندگی کے حالات یکساں نہیں رہتے اور ان میں ہر دور میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے اس لیے عدل و توازن کے قوانین میں بھی یکسانیت نہیں ملحوظ رہ سکتی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''جس طرح معاشرتی زندگی کے حالات ہر دور میں یکساں نہیں ہوتے اسی طرح عدل و توازن پیدا کرنے اور برقرار رکھنے کے قوانین میں بھی یکسانیت نہیں ملحوظ رہ سکتی۔ جب قوم طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو، سرمایہ ایک طبقہ میں سمٹ کر رہ گیا ہو اور دوسرا طبقہ وسائل معاش سے محروم ہو کر نانِ جویں کا محتاج ہو تو ایسی حالت میں عدل و توازن پیدا کرنے کے قوانین اس وقت سے یقیناً مختلف ہوں گے جبکہ قوم خوشحال ہو اور معاشرتی عدمِ توازن محرومی کی حد تک نہ پہنچا ہو۔ ایسی صورت میں قرآن حکیم اگر تنظیم و تقسیم کے کسی ایک طریقہ کی نشان دہی کر دیتا یا مروجہ انفرادی و اجتماعی ملکیت کی بحث کو اصولی اور بنیادی قرار دیتا تو اس کی عالمگیریت پر کس قدر زد پڑتی؟ اور تکمیل ہدایت کی بات کس حد تک تشنہ رہ جاتی؟''(۸)

اسلامی شریعت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں احوال و مصالح کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور شرعی احکام میں حالات

وزمانہ کی رعایت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مولانا امینؒ کے مطابق معاشرہ اور شریعت میں بڑا گہرا ربط ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ مولانا کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''معاشرہ'' شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال و مصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں۔ جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکامِ شرعیہ کی شکل وصورت بدلے گی اور جب احوال و مصالح باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہوجائے گی۔ ہدایت الٰہی نے ہمیشہ ''شرائع'' کے نزول میں بنیاد و سامان دونوں کا لحاظ کیا ہے اور اسی وجہ سے شرائع ومناہج کے اختلاف کو برقرار رکھا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں ان کا لحاظ نہ کیا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ منقطع ہو جائے گا' پھر شریعت زندگی سے کنارہ کشی پر مجبور ہوگی یا اس کی چاکری میں مشغول رہے گی۔''(۹)

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے متعدد فیصلے اس پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز شراب کی حرمت کا حکم اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ شریعت سازی میں احوال ومصالح کی رعایت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر شروع دن سے شراب کی حرمت کا حکم نازل کر دیا جاتا تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس پر عمل نہ کیا جاتا۔ کیونکہ عرب کا معاشرہ اس وقت اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ نیز اس سے معاشرتی اصلاح کی بجائے فکری انتشار کا قوی اندیشہ تھا۔ اسی طرح کی دیگر بہت سی مثالیں ہیں جن سے حالات وزمانہ کی رعایت کا پتا چلتا ہے۔ مولانا امینؒ کا ماننا ہے کہ موجودہ دور میں بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے اس نوعیت کے احکام اور فیصلوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جن میں شرعی احکام کے حوالے سے حالات وزمانہ کی رعایت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

قرآن کریم کے حوالے سے ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ ہمیشہ اصول اور بنیادی مباحث ہی کو اپنا موضوع بناتا ہے۔ یہ بنیادی مباحث وہ ہیں جن کی ہر دور اور ہر زمانہ میں یکساں ضرورت رہتی ہے۔ البتہ ذرائع اور طریقہ کار میں چونکہ ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور ایک چیز جو ایک وقت میں کسی اور شکل میں تھی اور پھر حالات کے پیش نظر اسے کسی اور رنگ میں پیش کرنا پڑا تو اس سے قرآن کریم کے ثبات و دوام اور رعایت زمانہ کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر زمانہ نزول میں کسی ایک طریقہ اور ذریعہ کی نشاندہی کر دی جاتی تو بعد میں حالات کی تبدیلی سے اس میں تبدیلی ناگزیر ہوتی اور پھر قرآن حکیم کے ثبات و دوام کی کوئی صورت نہ باقی رہتی۔ چنانچہ قرآنِ کریم کی بہت سے آیات ایسی ہیں جن سے حالات وزمانہ کی رعایت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆ ﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔''

☆ ﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ﴾ (الحج:۷۸)

''اور اس (اللہ) نے تم پر دین میں کچھ مشکل نہیں رکھی۔''

☆ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۸۶)

''اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

☆ ﴿مَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیَجۡعَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّ لٰکِنۡ یُّرِیۡدُ لِیُطَہِّرَکُمۡ ﴾ (المائدۃ:۶)

”اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے۔“

قرآنِ کریم سے حالات وزمانہ کی رعایت کے ثبوت مولانا نے بھی پیش کیے ہیں، جن کو اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) قرآن کریم دفعتاً نازل نہیں ہوا بلکہ اس کے نزول میں تدریج کا اصول کارفرما رہا۔ مولانا امینیؒ اس تدریج سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طریق نزول سے ایک طرف حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے تو دوسری طرف قانون میں باہمی ربط کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

(۲) قرآنِ حکیم میں بیان کردہ اصولِ نسخ کے ذریعہ احکام کے موقع ومحل متعین کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال ومصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں۔ چنانچہ نسخ کے اصول سے بھی حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔

(۳) قرآن حکیم نے احکام کے بیان کا جو انداز اختیار کیا ہے اس سے بھی حالات وزمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض احکام میں محض مقاصد بیان کیے گئے جبکہ ان کی شکل وصورت کا تعین نہیں۔ اسی طرح بعض احکام میں جزئیات کی تشریح سے بحث کر کے بات کو طول نہیں دیا گیا۔ لیکن کئی جزئیات کی تشریح کے باوجود اس کے موقع ومحل کی تعیین کی اجازت دی گئی ہے۔

(۴) قرآنِ حکیم نے عدل کو معیارِ حق بنایا ہے لیکن مولانا امینیؒ کے مطابق جس طرح معاشرتی زندگی کے حالات یکساں نہیں رہتے اسی طرح عدل وتوازن برقرار رکھنے کے لیے اس میں بھی تبدیلی کی گنجائش قرآن حکیم سے ثابت ہے۔[۱۰]

مولانا امینیؒ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی معاشرتی اور سماجی زندگی کے بہت سے واقعات کو ہم یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیات پر محمول ہیں (یعنی قاعدہ وقانون کے تحت نہیں آتے ہیں) حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو ان سے اختیار کی وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز وسعت وتنگی کے مذکورہ اصول کی تائید نکلتی ہے۔ مثلاً:

(۱) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے جرم کا ارتکاب کیا ہے (یعنی میں نے شراب پی ہے)، لہٰذا میرے اوپر حد (سزا) جاری کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم نے ابھی ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟“ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ اللہ نے تمہارا قصور معاف کر دیا“۔[۱۱] اس معافی کا اثر اس شخص پر یہ ہوا کہ اس نے شراب نوشی سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے کوڑوں (شراب کی سزا) کے خوف سے شراب ترک کرنے کو میں اپنی توہین سمجھتا تھا جب آپ ﷺ نے مجھے معاف کر دیا تو واللہ اس ملعون (شراب) کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

(۲) ایک واقعہ میں مجرم کی جگہ غیر مجرم (جو بچانے کے لیے آیا تھا) کو پکڑ لیا گیا اور دربار نبوت سے اس کو سزا کا حکم بھی سنا دیا گیا۔ یہ صورت دیکھ کر مجرم نے خود آگے بڑھ کر جرم کا اعتراف کیا اور ماخوذ شخص کو اس سے بریٔ الذمہ قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی سزا معاف فرما دی۔[۱۲] اگرچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

جیسے فقیہہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مجرم کو سزا نہ دینا جرم کی حوصلہ افزائی ہوگی لیکن نبی کریم ﷺ کی دور بین نگاہ اس حقیقت پر تھی کہ دوسرے شخص کو موت سے بچالینا از خود اتنی بڑی نیکی اور توبہ کی ایک شکل ہے کہ اس کے بعد کسی اور بات کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۳) اس طرح فتح مکہ کے موقع پر اہلِ مکہ کے سردار اور اسلام کے دشمن ابوسفیان کے گھر کو رسول اللہ ﷺ نے دارالامان کا درجہ دیا جبکہ کفار سے کسی قسم کی رعایت نہ کرنے کا حکم تھا۔[۱۳] اس سے بھی حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت ملتا ہے۔

(۴) مولانا امینیؒ صلح حدیبیہ کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو روش اختیار فرمائی اور بعض صحابہؓ کی مخالفت کے باوجود جس طرح معاہدہ کی تکمیل کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی سیاست کے فیصلے کس قدر جذبات سے بالا ہوکر حقیقت شناسی اور دور رسی کے حامل ہوتے ہیں...... سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اجتماعی مفاد کے تحفظ اور مستقبل کی تعمیر کی خاطر جذباتی چیزوں اور انفرادی مفاد کو کس طرح نظر انداز کیا تھا؟ اور بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کا کیسا نمونہ پیش کیا تھا؟''[۱۴]

(۵) معاہدہ سے پہلے جب اہلِ مکہ قحط سے دوچار ہوئے تو باوجود دشمنی کے ان کی مدد فرمائی۔[۱۵] گویا انسانیت دشمنی پر مقدم ہے۔

(۶) حطیم خانہ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا رسول اللہ ﷺ نے (باوجود چاہنے کے) خانہ کعبہ کے ساتھ شامل نہیں فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمائی:

''اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ کر اساسِ ابراہیم پر اس کی تعمیر کراتا اور حطیم کو اس میں شامل کر دیتا۔''[۱۶]

(۷) قربانی کا گوشت تین دن سے زائد ذخیرہ بنا کر رکھنے سے روک دیا تھا تاکہ گاؤں کے لوگ محروم نہ رہیں۔ پھر جب آپ ﷺ سے شکایت کی گئی اور مختلف قسم کی ضرورتیں بیان ہوئیں تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔[۱۷] اگرچہ نبی کریم ﷺ کا پہلا حکم دوسرے حکم سے منسوخ ہوگیا لیکن اگر موجودہ دور میں بھی وہ حالات پیدا ہو جائیں جن کی بنا پر ممانعت کی گئی تھی تو حاکم وقت پہلے حکم کو نافذ کرنے کا مجاز ہوگا کیونکہ اس فیصلہ کا تعلق حالات و زمانہ اور موقع و محل سے ہے۔

(۸) اجنبی عورتوں کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ وساوسِ شیطان و فساد کا دفعیہ ہو اور اللہ کی حرمتیں محفوظ رہیں لیکن جس سے شادی کا ارادہ ہو رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھنے کی اجازت دی تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو اور ازدواجی زندگی خوشگوار رہ سکے۔[۱۸]

(۹) حدود کو قائم کرنے کا حکم ہے لیکن خود رسول اللہ ﷺ نے جنگ اور دشمن کی سرزمین میں حدود قائم کرنے سے منع کیا ہے۔[۱۹] چنانچہ حدیث میں آتا ہے: ((لا تقطع الایدی فی الغزو))[۲۰] ''جنگ میں ہاتھ مت کاٹو۔'' ایک دوسری روایت میں ہے: ((لا تقطع الایدی فی السفر))[۲۱] ''سفر میں ہاتھ مت کاٹو۔''

(۱۰) رسول اللہ ﷺ نے اشخاص وحالات کے لحاظ سے سوالات کے مختلف جوابات دیے ہیں مثلاً کسی کے لیے نماز سب سے افضل قرار دی اور کسی کے لیے جہاد کو افضل بتایا اور کسی سے والدین کی خدمت کو افضل فرمایا' وغیرہ۔ (۲۲)

(۱۱) نہی عن المنکر کی اہمیت کے باوجود جب اس عمل سے کسی زیادہ بڑی برائی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو روک ٹوک کرنے کی ممانعت ہے۔ (۲۳) گویا مقصود فتنہ اور انتشار کا ازالہ ہے' اگر برائی سے روکنے پر اس کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو اس انتہائی اہم اور مفید عمل سے بھی رکنا اور صبر کرنا سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سے احکام کے موقع ومحل متعین کیے تھے اور انتظامی احکام کا اضافہ کیا تھا۔ ان احکامات میں صحابہ کرامؓ نے قرآن وسنت سے حتی الوسع استفادہ کرنے کی کوشش کی لیکن جن مواقع میں ضرورت پڑی اجتہاد سے کام لینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ مولانا امینیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن صورتوں میں حالات وزمانہ کی رعایت سے قیاس اور رائے کے استعمال کو ضروری جانا' قرآن وسنت کی روشنی میں اس کے لیے ضابطہ مقرر فرمایا۔'' (۲۴)

لیکن اس حوالے سے صحابہ کرامؓ نے انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کیا۔ حالات وزمانہ کی رعایت سے جس قدر اجتہاد کی ضرورت ہوتی یا رائے استعمال کرنے کی نوبت آتی تو مقاصد شریعت اور اصولِ دین سے سرِمو تجاوز نہ فرماتے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ سلطنت کی وسعت' جدید مسائل اور ان کے تنوع کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے دور میں حالات وزمانہ کی رعایت کے دائرہ میں کافی وسعت پیدا ہوئی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے نصوصِ شرعیہ سے کام لیتے ہوئے بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کی ایسی ترجمانی کی جو بعد میں آنے والے تمام زمانوں میں مثالی حیثیت رکھتی ہے۔

حالات وزمانہ کی رعایت کے حوالے سے صحابہ کرامؓ کے پیش نظر ہمیشہ درج ذیل امور رہے:

- ☆ اجتماعی مفاد کو ہمیشہ ترجیح دی۔
- ☆ فتنہ وفساد کو ہمیشہ رفع کرنے کی کوشش کی۔
- ☆ عدل وتوازن قائم کرنے کی کوشش کی۔
- ☆ موقع ومحل کا ہمیشہ لحاظ رکھا۔
- ☆ معاشی مساوات قائم کرنے کی کوشش کی۔

یہ تمام وہ امور ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا اور اس حوالہ سے شرعی احکام میں جب بھی اور جتنا بھی موقع ملا حالات وزمانہ کی رعایت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ مولانا امینیؒ نے صحابہ کرامؓ کے عمل سے حالات وزمانہ کی رعایت کی جو مثالیں بیان فرمائی ہیں ان کا اختصار یہ ہے:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عورت کو طلاق کے بعد دوسرے نکاح کے باوجود بچے کی پرورش کا حق دار ٹھہرایا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے طلاق وجدائی کے بعد عورت کو بچہ کی پرورش کا حق دار اس وقت تک ٹھہرایا ہے جب تک دوسری شادی نہ کرے۔ (۲۵) مولانا امینی کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے ایسا نبی کریم ﷺ کے عمل کے خلاف نہیں کیا بلکہ موقع ومحل کی نسبت سے اور حالات وواقعات کو مدنظر رکھتے

ہوئے کیا۔ (۲۶) گویا فیصلہ تو نبی کریم ﷺ کا ہی ہوگا لیکن آپ ﷺ نے بھی اپنے فیصلہ میں چونکہ عورت ہی کو سہولت دی ہے اس لیے حاکمِ وقت کو اس کی اجازت ہوگی کہ وہ حالات کے مطابق فیصلہ کرے۔

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے وصال پر دف بجایا تھا۔ (۲۷) حالانکہ قرآن وسنت میں ایسے جرم پر قطع ید کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ مولانا امینیؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اس قسم کی مثالوں میں بظاہر قرآن وسنت کی مخالفت معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً مخالفت نہیں ہے۔ ان بزرگوں نے جتنے اجتہادات کیے ہیں اور مجموعہ کو سامنے رکھ کر ہی احادیث واحکام کے موقع ومحل متعین کیے ہیں اس بنا پر ہمارے لیے صحابہ کا طرزِ عمل حجت ہے اور اسی پر ملی مسائل کا حل موقوف ہے۔'' (۲۸)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متوقع فتنہ کے پیش نظر کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت کر دی (۲۹) حالانکہ قرآن وسنت میں اس کی صریح اجازت موجود ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ عمل قرآن وسنت کے خلاف نہیں تھا بلکہ متوقع فتنہ کے ازالہ کی نیت سے ایسا کیا۔ مولانا امینیؒ نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کی توجیہہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اسی فیصلہ کی خود وضاحت فرمائی ہے:

''میں ڈرتا ہوں کہ دوسرے مسلمان تمہاری اقتداء کریں گے اور ذمیہ عورتوں کے جمال کی وجہ سے مسلم عورتوں پر ان کو ترجیح دیں گے' یہ بات بڑی آسانی سے فتنہ بن سکتی ہے۔'' (۳۰)

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو قانوناً زمین اور جائیداد رکھنے سے منع کر دیا جبکہ اس سے پہلے اس کی ممانعت نہیں تھی۔ (۳۱) حضرت عمرؓ نے یہ عمل اس لیے کیا کہ ان کی خلافت میں ہر ایک کو وظیفہ ان کی خلافت کے ذمہ تھا۔ اگر جائیداد کی اجازت بھی دے دی جاتی تو سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی ہوتی جو ظاہر ہے کہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اس کی طرف علامہ طنطناوی جوہریؒ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ (۳۲) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا امینی لکھتے ہیں کہ:

''دراصل اسلام ایک ایسی صالح جماعت تیار کر کے برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ جس کا مقصد جان و مال کی قربانی کر کے دوسروں کے لیے رحمت کا ماحول پیدا کرنا ہو۔ یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک دلوں سے ذاتی منفعت اور عیش وعشرت کے ''بُت'' نہ نکالے جائیں۔'' (۳۳)

گویا اگر معاشرہ میں حکومت وقت اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے اور لوگوں کو معاشی طور پر مستحکم اور سماجی طور پر امن کی دولت سے نوازتی ہے تو حکومت وقت کو اجازت ہے کہ وہ سرمایہ داری اور جاگیرداری کا راستہ روکنے کی غرض سے اس پر پابندی لگا دے۔

(۵) اسلام میں چور کی سزا قطع ید مقرر ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر مال کی دوگنی قیمت وصول کی نیز بھوک وقحط کے عام ابتلاء میں قطع ید سے روک دیا۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اس قرآنی آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے ﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدۃ:۳۸) ''چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں''۔ کیونکہ اس آیت میں عموم پایا جاتا ہے لیکن اگر قحط کے دوران بھی

اسی فیصلہ کو باقی رکھا جاتا تو مزید فتنہ کا اندیشہ تھا جو ظاہر ہے اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس فتنہ کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ جاری کیا۔

(۶) عراق وشام کی مفتوحہ زمین کو حضرت عمرؓ نے مجاہدین میں تقسیم کرنے کی بجائے وسیع تر اجتماعی مفاد کے پیش نظر اسے خلافت کی ملکیت قرار دیا۔[۳۴] حالانکہ اس سے پہلے ایسی کوئی مثال قرآن وسنت سے ثابت نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں کہ:

''فوجیوں میں زمین کی تقسیم وعدم تقسیم کا معاملہ اس دور کی معاشرتی وسماجی مصالح کی بنا پر تھا۔ اس لیے موجودہ دور میں نہ تقسیم کو بنیاد بنا کر ملکیت زمین کی آڑ میں زمینداری وجاگیرداری کا جواز تلاش کیا جاسکتا ہے اور نہ عدمِ تقسیم سے اسلام کے زرعی نظام کو اشتراکیت کے زرعی نظام میں محدود کرنے کی گنجائش نکلتی ہے۔ بلکہ ان دونوں صورتوں سے ان کی اصل روح اور مقصد میں استفادہ کیا جاسکتا ہے تاکہ حالات کے تقاضا کے مناسب زمین کی تنظیم وتقسیم کا نظام قائم ہوسکے۔''[۳۵]

(۷) حضرت عمرؓ نے ضحاک بن خلیفہ کو آب پاشی کے لیے محمد بن مسلمہ کی زمین سے ان کی مرضی کے بغیر پانی لے جانے کا حکم دیا۔[۳۶] حالانکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان مرد کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ اکثر لڑائی جھگڑے اور فساد اسی بنا پر ہوتے ہیں تو اگر حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر عمل کرنے کے لیے حکومتِ وقت اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا کرے تو اس سے مسئلہ پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

(۸) حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو بھی حکومت میں شریک و دخیل بنایا[۳۷] حالانکہ اس سے پہلے ایسی کوئی مثال موجود نہ تھی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے لکھا ہے کہ:

''اصل چیز حکومت کا مزاج اور اس کی پالیسی ہے۔ بسا اوقات غیر مسلم سے نظم وانتظام کی توقع مسلمان سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے پارٹی پالیٹکس کو اس میں داخل ہونے دیا اور نہ مسلم وغیر مسلم میں کوئی تفریق کی۔ حالانکہ اس سے پہلے نظم وانتظام محدود ہونے کی وجہ سے غیر مسلموں کی زیادہ شرکت نہ تھی۔''[۳۸]

گویا اسلامی حکومت وسیع تر اجتماعی مفاد کے پیش نظر نیز اس بنا پر کہ موزوں جگہ پر بلاتفریق مذہب موزوں شخص کی تعیناتی ہو اس بات کی مجاز ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو بھی حکومت میں جگہ دے سکتی ہے۔ دورِ قریب میں اس کی عمدہ مثال ہندوستان میں شہنشاہ اکبر کی حکومت ہے جس میں بلاتفریق مذہب حکومتی مناصب پر غیر مسلم لوگوں کو بھی مساوی جگہ دی گئی۔ اگرچہ اکبر کے نظریات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے دور کے مجموعی معاشرتی حالات آج بھی دنیا کے لیے ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۹) حضرت عمرؓ نے انفرادی ملکیت پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی۔[۳۹] اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا امینیؒ نے لکھا ہے کہ:

''شخصی آزادی اور انفرادی ملکیت دو بڑے ''بت'' ہیں جن کی مدد سے ایک طبقہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر عیش کرتا ہے اور دوسرا طبقہ محنت ومشقت کے باوجود نان جویں کا محتاج رہتا ہے۔ بدقسمتی سے ذرائع پیداوار کی تنظیم میں ان دو ''بتوں'' کو مذہب کا سرٹیفکیٹ حاصل ہوگیا ہے۔ جب کبھی حالت وضرورت کی

بنا پر اجتماعی کاشت و تنظیم کا ذکر آتا ہے تو فوراً یہ کہہ کر مخالفت شروع کر دی جاتی ہے کہ اس میں لامذہبیت سرایت کی ہوئی ہے جو باہر سے برآمد کی گئی ہے۔ گویا اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی نہیں کی اور تنظیم و تقسیم میں حالت و ضرورت کا کوئی لحاظ نہیں کیا ہے۔''(۴۰)

(۱۰) حضرت عمرؓ نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی۔(۴۱) اگرچہ نبی کریم ﷺ نے بھی اسے ناپسند کیا ہے اور اسے بتدریج ختم کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت عمرؓ نے حالات و زمانہ کی رعایت کے پیش نظر اس عمل کو مزید آگے بڑھایا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''اگر مذہب قدیم تنظیم کا نام ہوتا تو حضرت عمرؓ غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی راہیں نہ نکالتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ ہر طرح کے حقوق دے کر معاشرہ میں ان کا مقام اونچا کر دیتے...... لیکن ایک دم سے ختم کرنے میں سماجی زندگی کے مختل ہونے کے اندیشہ تھا۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے بتدریج ختم کرنے کی کوشش کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس کوشش کو اور آگے بڑھایا جس کے لیے مختلف طریقے وضع کیے۔''(۴۲)

صحابہ کرامؓ کے بعد فقہاءِ اسلام کو ان کی بہ نسبت قدرے زیادہ مشکل حالات اور مختلف مسائل سے واسطہ پڑا۔ لیکن چونکہ قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کا عمل بھی ان کے سامنے تھا لہٰذا ان کی روشنی میں انہیں اصول و کلیات کی تدوین کا بہت عمدہ موقع میسر آیا۔ چنانچہ فقہاء اسلام نے ایسے اصول وضع کر دیے جن سے ہر دور اور ہر زمانہ میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء کے اخذ کردہ چند اصول و قواعد پیش خدمت ہیں:

(۱) المشقة تجلب التيسير (۴۳) ''دشواری آسانی لاتی ہے''

شرعی احکام کی بجا آوری میں انسان کو طبعی یا تمدنی عوارض پیش آ جاتے ہیں، شریعت میں ان کی رعایتیں موجود ہیں۔ یہ اصول ان ہی حالات کے لیے ہے —— شریعت میں جو آسانیاں اور تخفیفات دی گئی ہیں ان کے سلسلہ میں چند باتیں اور ملحوظ رکھنی چاہئیں:

(ا) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ فقہاء نے جو رعایتیں اور سہولتیں دی ہیں وہ خود ان کی وضع کردہ نہیں ہیں بلکہ وہ سب کتاب و سنت کے اصولی احکام کے تحت دی گئی ہیں۔

(ب) دوسری بات یہ کہ جو آسانیاں اور تخفیفات دی گئی ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی مشقت و دقت کی وجہ سے کسی حرام چیز کے استعمال کی اور کسی حلال چیز کے ترک کی مستقل صورت پیدا کی گئی ہے۔

اگر فقہاء ہر مشقت میں رخصت و سہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک ہی حکم ہر ایک کے لیے وضع کر دیتے تو دین بازیچہ اطفال بن کر رہ جاتا۔ اسی کی طرف مولانا امینیؒ نے بھی اشارہ کیا ہے:

''یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ فقہاء نے ہر مشقت کو زیر بحث مشقت میں شمار کیا اور نہ تخفیف و سہولت کو اس قدر عام کیا ہے کہ انسان جب چاہے اس کی راہیں نکال لے بلکہ ہر ایک کے لیے فقہ میں اصول و ضوابط مقرر اور حدود و قیود متعین ہیں۔ الٰہی حکمت کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اس معاملہ میں انسان آزاد نہ چھوڑا جائے۔ ورنہ دین سہل پسند اور ناعاقبت اندیش لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے گا۔''(۴۴)

اسی طرح ان کے نزدیک انسان کی معاشرتی اور سماجی زندگی کے باریک تاروں کو سمجھنا اور پھر اس کی روشنی

میں راہِ عمل متعین کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اگر ایسا ہی آسان ہوتا تو جس طرح عالمی تصرفات کو انسان کے حیطہ اقتدار میں دے دیا گیا ہے اسی طرح انسانی حالات کو بھی دے دیا جاتا۔ اس کے لیے نہ ہدایتِ الٰہی کے تسلسل کی ضرورت ہوتی اور نہ دین کی تکمیل کی۔ غرض مشقت کے استعمال اور اس کے ذریعہ رخصت وسہولت کی اجازت میں بڑی احتیاط اور نکتہ سنجی کی ضرورت ہے۔ نہ ہر شخص یہ کام کر سکے گا اور نہ اس کے بارے میں ہر ایک کا فیصلہ قابل اعتبار ہوگا۔ بلکہ یہ کام وہی مجوزہ مجلس کرے گی جس کا ذکر مولانا امینؒ نے اپنی تحریروں میں خاص طور پر کیا ہے۔ صرف اسی صورت اس کی افادیت اور قبولیت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

نیز اس کی افادیت کے پیش نظر مولانا امینؒ کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ احکام وقوانین کے نفاذ کے حوالہ سے اصولِ تدریج سے کام لیا جائے۔ کیونکہ یہ اصول ہے کہ کوئی بھی حکم جو تدریج کے اصول سے خالی ہو اس میں وہ جامعیت اور پختگی نہیں پائی جاتی جو مطلوب ہوتی ہے۔ چنانچہ اصول تدریج کے حوالے سے قرآن کی مثال سب سے نمایاں ہے کہ کس طرح قومی مزاج وطبیعت کا لحاظ اور معاشرتی حالات وواقعات کو اس میں جگہ دی گئی ہے۔

(۲) الضرورات تبیح المحظورات[۴۵] ''ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہے''

مولانا امینؒ کے نزدیک اس اصول سے فقہاء نے درج ذیل قسم کے مسائل نکالے ہیں' مثلاً:

- ☆ انتہائی بھوک کی حالت میں جان بچانے کی غرض سے مردار اور دیگر حرام اشیاء کا کھانا جائز ہے۔
- ☆ حلق میں لقمہ پھنس جائے تو شراب جیسی چیز سے گلوخلاصی کی اجازت ہے۔
- ☆ جبر وزبردستی کی حالت میں زبان سے کلمہ کفر نکال دینا جائز ہے بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو۔
- ☆ اگر کوئی ایسا شخص کسی کا قرض نہ ادا کرتا ہو جس کے پاس مال موجود ہو تو قرض خواہ کے لیے مقروض کی اجازت کے بغیر قرض کی مقدار کے برابر لینا جائز ہے۔
- ☆ حملہ آور کو ہر طریقہ سے ہٹانا جائز ہے خواہ اس میں حملہ آور کے قتل تک نوبت آ جائے۔[۴۶] اس اصول کے ساتھ فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ:

> ''جو چیز کسی ضرورت کے تحت مباح کی جائے گی وہ بس ضرورت بھر ہی مباح ہوگی۔ جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز کی جائے گی اس کا جواز عذر کے زائل ہونے کے بعد ختم ہو جائے گا۔''[۴۷]

کچھ لوگ اپنی خواہش کی آڑ میں اس اصول کا غلط استعمال بھی کرتے ہیں' چنانچہ علامہ شاطبیؒ نے اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ:

> ''لوگ اس اصول کی آڑ میں اپنی کسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی جو واقعی ضرورتیں ہیں ان کا ذکر تو شریعت نے خود ہی کر دیا ہے۔''[۴۸]

دورِ حاضر میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن میں مسلمان نہ چاہتے ہوئے بھی کسی نہ کسی طور پر سود یا اسی طرز کے کسی دیگر حرام کام میں ملوث ہیں۔ چونکہ انسانی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے تو جو لوگ ایسے کاموں کو سرے سے حرام سمجھتے ہی نہیں' ان پر اس کا جرم ہوگا۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو یہ کام اس نیت سے کرتے ہیں کہ ان کے پاس اس کا متبادل نہیں' ان کے لیے اباحۃً اجازت ہوگی۔

(۳) العادة محكمة (۴۹) ''عادت حکم (فیصلہ کرنے والی) بنائی گئی ہے''

اس اصول کا تعلق مادی ومعنوی ماحول' آب وہوا اور موسم وغیرہ سے ہے۔ چونکہ ان امور میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس لیے ان میں ایک ہی حکم یا طریق کار کی پابندی سے تنگی ودشواری پیش آئے گی۔ چنانچہ ایک حکم جو ایک ملک والوں کے لیے ہے اور فرض نہیں ہے تو ضروری نہیں کہ وہ ایک دوسرے ملک میں بھی اسی طرح مسلّط کر دیا جائے۔ مولانا امینیؒ نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ:

''جب کسی زمانہ میں مشرق ومغرب کا یہ تفاوت ختم ہو جائے یا مشرق میں عادت بدل جائے اور مغرب میں عادت اس کے برعکس ہو جائے تو اسی مناسبت سے حکم میں بھی تبدیلی ہوتی رہے گی۔ اس اختلاف پر وہ تمام مسائل مبنی ہوں گے جن کا تعلق انسانوں کی وضع داری اور حیثیت وعزت سے ہے۔ چنانچہ یورپ والوں کے لیے ننگے سر نماز پڑھنے اور ننگے سر پھرنے میں کوئی قباحت نہیں اور ایشیا والوں کے لیے (جب تک عادت نہ بدلے) قباحت ہے۔ البتہ اس قسم کی چیزیں اگر ایشیا میں بھی عادت کا درجہ اختیار کر لیں تو پھر ان میں یہاں بھی کوئی قباحت نہ باقی رہے گی۔''(۵۰)

(۴) تصرف الامام علی الرعیة منوط بالمصلحة (۵۱) ''عوام کے معاملات میں قوتِ نافذہ کے تصرفات مصلحت پر مبنی ہونے چاہئیں''۔

قوتِ نافذہ سے مراد حکومتی اختیارات یا طاقت کے ہیں۔ گویا اگر حکومت عوامی معاملات میں اپنی طاقت کا استعمال کرنا چاہے تو وہ مصلحت پر مبنی ہونی چاہیے۔ چنانچہ اجتماعی مفاد کے پیشِ نظر اگر کسی کا انفرادی نقصان ہو رہا ہے تو اجتماعی مفاد کو اہمیت دی جائے گی۔ اگرچہ قوتِ نافذہ کے زیر اثر بہت طاقت ہے' لیکن مولانا امینیؒ نے اس کی بھی حدود وقیود بیان فرمائی ہے۔ تاکہ حکومت میں ڈکٹیٹر اور مطلق العنانیت کی خامیاں نہ پیدا ہو جائیں اور ذاتی مفادات کو اجتماعی مفاد کا نام دے کر لوگوں کا ناجائز استحصال نہ کیا جاسکے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''قوتِ نافذہ مصلحت اور مفادِ عامہ کا فیصلہ کرنے میں آزاد نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس فیصلہ میں شریعت کے نقطہ نظر کا پورا لحاظ رکھے اور اس کے فیصلہ سے شریعتِ مطہّرہ کی خلاف ورزی نہ لازم آئے۔ ورنہ وہ فیصلہ قابل نفاذ نہ ہو سکے گا...... قوتِ نافذہ کو اس قسم کے تصرفات کا بھی اختیار نہیں جس میں ظاہر نظر میں عمومی فائدہ ہو' مگر یہ فائدہ مضرتوں کا سبب بن سکتا ہو۔ چنانچہ کسی کو ایسی جگہ مسجد تعمیر کرنے کی اجازت یا توسیع کا حکم دینا جس جگہ سے لوگوں کا عام مفاد وابستہ ہو اور کاروبار میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہو' ناجائز ہے۔''(۵۲)

(۵) کل ما تجاوز عن حده انعکس الی ضده (۵۳) ''جو شے اپنی حد سے تجاوز کر جائے وہ اپنی ضد کی طرف لوٹ آتی ہے کہ اس کے بغیر توازن نہیں پیدا ہو سکتا''۔

بسا اوقات ابتدائی مرحلے میں ایک شے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کو دوامی حیثیت نہیں دی جاسکتی یا انتہا میں اس کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے پہلے کے مرحلات اس کے متحمل نہیں ہوتے ہیں۔ اصلاحی اور تعمیری پروگرام میں اس قسم کی بے شمار صورتیں پیدا ہوتی اور ختم ہوتی رہتی ہیں۔ اس لیے نہ انہیں دائمی قانون کا درجہ

حاصل ہوتا اور نہ وہ دائمی طور پر عمل کے لیے ہوتی ہیں۔ لیکن ایک مدت تک ان کو کرتے رہنے سے انہیں ایسی مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اصل دین اور قانون کی جگہ لے لیتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر مذکورہ بالا اصول کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ انقلابی تحریکات میں بہت سے ایسے موڑ آتے ہیں جہاں ان کے اکثر عمل زیادتی نظر آتے ہیں لیکن دراصل ان تحریکات کی یہی زیادتی عدل و توازن کی ایک شکل ہوتی ہے جس کے بغیر معتدل زندگی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تاریخ اسلامی کی اکثر انقلابی تحریکات میں اس کا اثر دیکھا جا سکتا ہے۔ مولانا امینیؒ نے اس اصول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''فقہاء نے مذکورہ اصول کے ذریعہ عدل و توازن کے مسئلہ کو بڑی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے حل کیا اور ہر حالت کے مناسب وسعت و تنگی کی گنجائش رکھی ہے۔ اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے فقہ کی بہت سی جزئیات میں دشواری نظر آتی اور بعض مسائل بالکلیہ موجودہ حالات کے مناسب نہیں معلوم ہوتے ہیں۔''(۵۴)

(۶) الحرج مرفوع(۵۵) ''حرج اٹھالیا گیا ہے''۔

حرج کی اصل تنگی ہے' اس لیے جو مشقتیں عادۃً روزانہ کے کام کاج میں ہوتی ہیں وہ لغوی اور شرعی اعتبار سے حرج میں داخل نہ ہوں گی۔ چنانچہ وہ امور جن میں تنگی اور رکاوٹ ہوگی شرعی لحاظ سے فقہاء نے ان میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے یہ اصول پیش کیا ہے۔ مولانا امینیؒ نے اس اصول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''اسلام کی نظر میں اصل چیز زندگی میں عدل و توازن اور معاشرہ میں ہمواری ہے۔ اس کے لیے طریقہ کار کیا اختیار کیا جائے' اس پر اس نے زیادہ زور نہیں دیا' بلکہ انسان کی نفسیاتی اور مزاجی کیفیت کے پیش نظر اونچی اور نیچی حد کی متعین پر اکتفا کیا ہے۔ اس اجازت سے اگر ہر مقام اور ہر حالت میں کام لیا گیا تو زندگی میں عدل و توازن باقی نہ رہے گا اور اگر ہر حالت اور ہر مقام سے اس کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ حرج (تنگی) کی صورت ہوگی جس کا نتیجہ جنسی آوارگی کی شکل میں ظاہر ہو کر پورے معاشرہ کو تباہ کر دے گا...... حالات و مقامات کا صحیح تجزیہ کرنا آسان نہیں ہے' ہر دور کا یہ مشکل ترین کام سمجھا گیا ہے۔ اس کو سمجھے بغیر فراخی اور تنگی کا فیصلہ دشوار ہے۔''(۵۶)

(۷) الاصل فی الاشیاء الاباحة (۵۷)''اشیاء میں اصل اباحت ہے''۔

یہ اصول اصل میں اس حقیقت کے اظہار کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ تمام اشیاء خالق کائنات نے انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی ہیں۔ اگر ان کو ان کے فطری حدود کے اندر استعمال کیا جائے تو کائنات کی ہر چیز مباح و مفید ہے' لیکن انسان خود ان کو بگاڑ کر اپنے لیے مضر بنا لیتا ہے۔ مثال کے طور پر انگور کو لیجیے۔ اس کے اندر خدا نے کتنی لذت و لطافت رکھی ہے۔ اس کے حلال و مباح ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہے۔ مگر جب اس انگور کو انسان نے بگاڑ کر شراب بنالی تو خدا نے اس کو حرام کر دیا لیکن انگور کی حلت برقرار رہی۔ اس لیے کہ حکم ہمیشہ علت پر لگتا ہے اور جو علت شراب کی ہے یعنی نشہ وہ انگور میں نہیں اس لیے انگور حلال ہے۔ غرض یہ کہ حقیقت میں ہر چیز مباح ہے۔ جبکہ انسان اسے اپنے استعمال سے حرام اور مضر بناتا ہے۔

چنانچہ جن امور کے بارے میں حلال اور حرام کی تصریح موجود ہے ان میں اشتباہ کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا۔ البتہ جن کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ موجود نہ ہو اور قوی دلیل کی بنا پر کسی ایک سمت کو ترجیح نہ حاصل ہو سکے ایسی صورت میں مذکورہ اصول سے کام لے کر اس کی اباحت کا حکم دیں گے۔ گویا اس اصول سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے اس اصول کے استعمال میں فقہاء نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس بنا پر بعض فقہاء نے اشیاء میں اصل حرمت کو قرار دیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''حلت محض ضرورت کی بنا پر ہے' اس لیے ضرورت ہی کے لحاظ سے اس میں وسعت و تنگی ہے۔ انسان کی نفسیاتی' معاشی اور سماجی زندگی کبھی وسعت سے کام لینے پر مجبور ہوتی ہے اور کبھی اس کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ حالات کا تقاضا یکساں نہیں ہوتا۔''(۵۸)

خلاصہ بحث یہ کہ مولانا امینیؒ نے فقہ اسلامی کی تشکیل جدید کے حوالے سے جو کچھ محنت کی ہے اور اس حوالے سے جن اصول و قواعد اور مصالح و مقاصد کی نشان دہی کی ہے' ان پر سنجیدگی سے غور و فکر کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اصولوں سے عملی استفادے کی راہیں نکالی جائیں اور جدید مسائل کے حل کے حوالے سے ان اصولوں سے فائدہ اٹھا کر فقہ کی تشکیل جدید کا اہم کام پورا کرنے کی طرف پیش رفت کی جائے۔ یقیناً مولانا کی معروضات سے اختلاف کی مکمل گنجائش موجود ہے مگر اس حوالے سے تنقیدی امور کی نشان دہی کر کے ہی تعمیری امور کی جانب قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

(۱) ندوی' مجیب اللہ' اجتہاد اور تبدیلی احکام' چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)' کراچی' ج ۲' ص ۱۵۷

(۲) امینی' محمد تقی' اجتہاد' قدیمی کتب خانہ' کراچی' ص ۲۶۴

(۳) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' قدیمی کتب خانہ' کراچی' ص ۶۵

(۴) مرجع سابق' ص ۷۳۔۷۲

(۵) امینی' محمد تقی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت' الفیصل ناشران و تاجران کتب' لاہور' ص ۴۲

(۶) مرجع سابق' ص ۳۹

(۷) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۴۷

(۸) امینی' محمد تقی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت: ص ۳۶

(۹) مرجع سابق' ص ۲۱

(۱۰) امینی' محمد تقی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت' ص ۲۶ تا ۳۶

(۱۱) الترمذی' محمد بن عیسیٰ' الجامع الترمذی (الکتب الستہ)' دار السلام للنشر والتوزیع' الریاض' ۱۹۹۹ء' ص ۸۵۲

(۱۲) البخاری' محمد بن اسماعیل' الجامع الصحیح (الکتب الستہ)' دار السلام للنشر والتوزیع' الریاض' ۱۹۹۹ء' ص ۴۴۲

(۱۳) الخطیب' ولی الدین محمد بن عبداللہ' المشکاۃ المصابیح' دار النفائس' بیروت' ۲۰۰۳ء' ص ۴۳۵

(۱۴) امینی' محمد تقی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت' ص ۱۲۵۔۱۲۴

(۱۵) القشیری' مسلم بن حجاج' الجامع الصحیح (الکتب الستہ)' دار السلام للنشر والتوزیع' الریاض' ۱۹۹۹ء' ص ۵۶۵

(۱۶) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (الکتب الستہ)، ص ۳۳۴

(۱۷) القزوینی، محمد بن یزید، السنن لابن ماجہ (الکتب الستہ)، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، ص ۱۷۹۰

(۱۸) مرجع سابق، ص ۱۸۹۱

(۱۹) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (الکتب الستہ)، ص ۴۹۲

(۲۰) الخطیب، ولی الدین محمد بن عبداللہ، المشکاۃ المصابیح، ص ۲۱۴

(۲۱) مرجع سابق، ص ۲۱۵

(۲۲) نسائی، احمد بن شعیب، السنن (الکتب الستہ)، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۳۸

(۲۳) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی (الکتب الستہ)، ص ۹۵۲

(۲۴) امینی، محمد تقی، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۱۳۶

(۲۵) ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، دار الجیل، بیروت، ۱۹۷۳ء، ج ۲، ص ۲۱۵

(۲۶) امینی، محمد تقی، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۱۷۲

(۲۷) ابن نجیم، البحر الرائق، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ج ۲، ص ۳۴۳

(۲۸) امینی، محمد تقی، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۱۷۴

(۲۹) ابن القیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۱۴۲

(۳۰) امینی، محمد تقی، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۱۷۷

(۳۱) الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الصمیعی، سعودیہ عرب، ۲۰۰۳ء، ج ۳، ص ۴۴۳

(۳۲) محمد طنطناوی، نظام العالم والامم، دار العلم، بیروت، ۱۹۸۸ء، ج ۲، ص ۱۴۳۔۱۴۴

(۳۳) امینی، محمد تقی، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۱۷۸

(۳۴) محمد بن صالح العثیمین، شرح الاصول من علم الاصول، دار البصیرۃ، مصر، ج ۱، ص ۵۳۲

(۳۵) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۱۰۳

(۳۶) الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۲، ص ۱۴۲

(۳۷) ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۲، ص ۴۳۲

(۳۸) امینی، محمد تقی، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۲۰۸۔۲۰۹

(۳۹) الشاطبی، اسحاق بن ابراہیم، الموافقات، دار ابن عفان، بیروت، ج ۲، ص ۱۳۲

(۴۰) امینی، محمد تقی، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۲۱۵۔۲۱۶

(۴۱) الشاطبی، اسحاق بن ابراہیم، الموافقات، ج ۲، ص ۴۲۲

(۴۲) امینی، محمد تقی، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص ۲۲۶۔۲۲۷

(۴۳) ندوی، علی احمد، ڈاکٹر، القواعد الفقہیہ، دار القلم، دمشق، ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۱

(۴۴) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص ۲۳۹

(۴۵) قرافی، ابو العباس شہاب الدین، انوار البروق فی انوار الفروق، دار عالم الکتب، بیروت، ج ۱، ص ۴۳

(۴۶) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۶۶

(۴۷) ندوی‘ مجیب اللہ‘ اجتہاد اور تبدیلی احکام‘ چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)‘ ج ۲‘ ص ۱۷۶
(۴۸) الشاطبی‘ اسحاق بن ابراہیم‘ الموافقات‘ ج ۲‘ ص ۳۱۱
(۴۹) ندوی‘ علی احمد‘ ڈاکٹر‘ القواعد الفقہیہ‘ ص ۲۸۱
(۵۰) امینی‘ محمد تقی‘ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر‘ ص ۳۰۶
(۵۱) سبکی‘ تاج الدین عبد الوہاب‘ الاشباہ والنظائر‘ دار الکتب العلمیہ‘ بیروت‘ ۱۹۹۱ء‘ ج ۱‘ ص ۱۹۱
(۵۲) امینی‘ محمد تقی‘ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر‘ ص ۲۸۳
(۵۳) ابن نجیم‘ البحر الرائق‘ ج ۲‘ ص ۱۶۶
(۵۴) امینی‘ محمد تقی‘ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر‘ ص ۲۷۷
(۵۵) قرافی‘ ابو العباس شہاب الدین‘ انوار البروق فی انوار الفروق‘ ج ۱‘ ص ۳۷
(۵۶) امینی‘ محمد تقی‘ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر‘ ص ۲۵۳
(۵۷) ندوی‘ علی احمد‘ ڈاکٹر‘ القواعد الفقہیہ‘ ص ۲۹۹
(۵۸) امینی‘ محمد تقی‘ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر‘ ص ۲۹۳ ❁❁❁

بقیہ: اسلامی برادری کے باہمی تعلقات

اسی طرح جس نے قرض دیا ہے وہ مقروض پر سختی نہ کرے بلکہ نرمی کے ساتھ تقاضا کرے۔ یہ طرزِ عمل بہت پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کی صرف اس بات پر نجات کر دی کہ وہ اور اس کے کارندے مقروضوں کے ساتھ نرمی اختیار کرتے تھے اور اگر کوئی شخص مالی حالت کی کمزوری کی بنا پر رقم واپس نہ کر سکتا تو یہ شخص اس سے تقاضا نہ کرتا بلکہ رقم معاف کر دیتا۔

ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے اہمیت دی جائے اور بر وقت اس کی امداد کی جائے۔ اس لیے اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچانے میں لگا رہے اور یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ باجماعت نماز میں پہلی صف میں کھڑے ہونے کا بڑا ثواب ہے۔ اگر کوئی نمازی کسی دوسرے آنے والے کا اکرام کرتے ہوئے پہلی صف سے نکل جائے اور اسے پہلی صف میں جگہ دے دے تو ایسا شخص اگرچہ پہلی صف کی بجائے دوسری صف میں کھڑا ہو جائے گا مگر اسے پہلی صف میں کھڑے ہونے والے سے دوگنا ثواب ملے گا‘ کیونکہ اس نے اپنے مسلمان بھائی کو ترجیح دی ہے۔

اگر انسان کی روزی مشکوک ہو تو اسے اس کی فکر کرنی چاہیے‘ کیونکہ ناجائز کمائی سے تیار کیے ہوئے کپڑے پہن کر نماز جیسی عبادت بھی مسترد کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ اپنے عزیز و اقارب اور قریبی دوستوں کو سنجیدگی کے ساتھ رزقِ حلال کی تلقین کرنا چاہیے اور خود اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں کی فہرست بڑی لمبی ہے اور ہر شخص کو معلوم ہے۔ پس ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اچھے کاموں کی توفیق اور برے کاموں سے بچنے کی دعا کرنا چاہیے اور اپنے تعلق داروں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے انہیں بھی اس بات کی تلقین کرنا چاہیے۔ یہی اس حدیث کا تقاضا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے بھی ہمیں آپس کے باہمی تعلقات اور برتاؤ کے بارے میں اسی قسم کی ہدایات دی ہیں۔ ❁❁❁